© rasailojaraid.com

انتقاد

—— "انتقاد کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے" ——

علم الکلام —O— الاقتصاد فی الاعتقاد

یہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" کا اُردو ترجمہ ہے۔ مترجم مولوی فیض الحسن صاحب ہیں۔

مولانا شبلی نے اپنی کتاب "الغزالی" میں امام غزالی پر یہ جو اعتراض کیا تھا کہ:-

"غزالی نے اپنی کتابوں میں کسی مذہبِ خاص کا التزام نہیں کیا بلکہ وہ اشعریوں کے ساتھ اشعری اور صوفیوں کے ساتھ صوفی اور فلاسفہ کے ساتھ فیلسوف ہیں" فصل المقال۔

جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:- "امام صاحب کی تصنیفات کا باہمی اختلاف اُن کے تلونِ طبع یا صلحِ کُل کے اُصول پر مبنی نہیں ہے، بلکہ امام صاحب نے قصداً ایسا کیا"

اس کی تائید میں مولانا شبلی نے امام غزالی کی کتاب "جواہر القرآن" سے حسبِ ذیل اقتباس نقل کیا ہے:-

"دونوں درجوں میں سے پہلا درجہ یعنی اس عقیدے کے ظاہری مفہوم پر استدلال کرنا تو اس کو ہم رسالہ قدسیہ میں درج کر چکے۔ یہ رسالہ ۲۰ صفحوں میں ہے اور احیاء العلوم کی فصل "قواعد العقائد" کا ایک حصہ ہے۔ باقی اِن عقائد کے دلائل زیادہ تحقیق کے ساتھ اور سوال و جواب کی رنگ آمیزی کے ساتھ تو کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں درج ہیں، جو سو ورق میں ہے۔ یہ ایک مستقل کتاب ہے اور اس میں متکلمین کا تمام علم درج ہے۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ معرفت کی کسی قدر خوشبو دماغ میں آ جائے تو احیاء العلوم کی کتاب الصبر والشکر، کتاب المحبۃ اور کتاب التوکل کے باب التوحید کے کچھ حصے کا اور کسی قدر مقصد الاقصٰے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں۔ جس سے یہ معلوم ہو گا کہ معرفت کا دروازہ کس طرح کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ اور اگر چاہتے ہو کہ صاف صاف بے لاگ ان عقائد کی حقیقت معلوم ہو تو اس کو صرف ہماری کتاب "المضنون به علی غیر اهله" میں پا سکتے ہو۔"

غرض مولانا شبلی کے الفاظ میں امام صاحب کی عقائد میں جو تصنیفات ہیں، وہ مختلف مراتب کی ہیں۔ بعض عوام کے مذاق کے موافق ہیں۔ بعض اس سے کسی قدر بلند رتبہ ہیں۔ بعض میں کچھ کچھ حقائق و اسرار کا پردہ کھولا گیا ہے، بعض ایسے ہیں، جن میں بے پردہ تمام حقائق ظاہر کر دیئے ہیں۔

اس اُصول کو سامنے رکھ کر مولانا شبلی نے امام غزالی کی تصنیفات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ اُن تصنیفات پر مشتمل ہے، جو مروجہ علم کلام کے انداز میں لکھی گئی ہیں اور حقائق و اسرار سے خالی ہیں، ——— انہی میں سے مولانا شبلی نے "الاقتصاد فی الاعتقاد" کو شامل کیا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:۔

"اقتصاد فی اعتقاد — سو ورق میں ہے۔ یہ بھی متکلمین کے معمولی انداز میں ہے۔ لیکن دلائل میں زیادہ تحقیق و تدقیق ہے۔"

امام غزالی کی ان دو کتابوں — مضنون به علی غیر اهله اور مضنون به علی اهله — کے ذکر میں مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔ اِس (پہلی) کتاب میں اصلی حقائق درج ہیں۔ مضنون به علی غیر اهله کے خاتمہ میں امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ مضنون به علی اهله میں وہ حقائق لکھوں گا جو مضنون به علی غیر اهله میں بھی نہیں لکھے گئے۔

الغرض زیرِ نظر کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" مولانا شبلی کی رائے میں متکلمین کے معمولی انداز میں ہے، لیکن دلائل میں زیادہ تحقیق و تدقیق کی گئی ہے۔

اس کتاب میں عقائد کے بارے میں افراط و تفریط کی تنقید کرتے ہوئے بیچ کی راہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ راہ امام غزالی کے نزدیک اہل السنت والجماعت کی ہے۔ اس ضمن میں امام صاحب فرماتے ہیں:۔

"آنکھ بغیر سورج کے کسی کام کی نہیں اور سورج ہو اور آنکھ نہ ہو تو سورج کی روشنی بے کار ہوتی ہے۔ ویسے ہی عقل بغیر شرع کے بالکل نکمی ہے۔ اور شرع بغیر عقل کے بے سود۔ فلاسفر اور معتزلہ تو محض عقل ہی کے ہو رہے اور شرع کو بالائے طاق رکھ دیا اور اصحاب ظواہر نے عقل کو کچھ ایسے جاہلانہ اسلوب سے تقلید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کہ اس کے احکام کے مغز نکالنے اور اُن کی ماہیات کی تہہ تک پہنچنے کو کفریات میں خیال کرنے لگے۔ مگر واہ رے اہل السنت والجماعت کہ جنہوں نے دونوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اگر عقل سے کام لیا ہے تو شرع کی حدود سے باہر نہیں نکلے۔ اور اگر شرع کو لیا ہے تو بھی عقل کو پورا پورا دخل دے کر۔

”غرضیکہ اہل السنت والجماعت نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان خیرالامور اوسطہا کو پورا دستورالعمل بنایا ہے۔ اور کسی امر میں بھی اس روحانی مرکز سے ایک انچ بھر بھی باہر قدم نہیں رکھا“

اس کے بعد کتاب کے مشمولات کا ذکر یوں کیا گیا ہے :- اس کتاب میں چار تمہیدیں اور چار باب ہیں۔ تمہیدات میں تو علم کلام کے ضروری یا غیر ضروری، اس کے فرض کفایہ یا فرض عین ہونے کے متعلق بحث کی جائے گی۔ اور پہلے باب میں خدا کے متعلق دس دعاوی ہم ثابت کریں گے۔ دوسرے باب میں صفاتِ باری کی اور تیسرے میں خدا کے افعال کی تحقیق ہوگی۔ چوتھے باب میں خدا کے رسولوں پر بسیط بحث کی جائے گی۔

کتاب کا آغاز ہی امام صاحب نے اس امر کے اثبات سے کیا ہے کہ شرع اور عقل میں تنافر اور تضاد نہیں ہے۔ عقل بغیر شرع کے بالکل نکمی ہے اور شرع عقل کے سوا اپنا مدعا پورا نہیں کر سکتی۔ صرف تقلید ہی کے عمیق گڑھوں میں گر جانا اور محض ظواہر کا ہی گرویدہ ہو رہنا پرلے درجے کی پست ہمتی اور بے وقوفی ہے۔ اور صرف عقل ہی کے گھوڑے پر سوار ہو کر شرع کو بالکل نظر انداز کر دینا اور ہر ایک مذہبی اور تمدنی امر میں عقل سے کام لینا کمینہ پن ہی نہیں، بلکہ قانونِ قدرت پر سخت حملہ کرنا ہے ......

اس ذیل میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ تقلید ظواہر کے دلدادے تفریط کے مرتکب ہوئے اور صرف عقل ہی کا راگ گانے والے افراط کی راہ پر گامزن ہیں۔ اُنہوں نے پہلوؤں کو آگاہ کیا ہے کہ شرع کی سند قرآن کریم یا قولِ رسولؐ ہے۔ اور اسے عقل سے پرکھنا چاہیئے اور عقل کے طرف داروں (فلاسفہ اور معتزلہ) کو متنبہ کیا ہے کہ شرع کی نورانیت سے چراغِ دل کو روشن کئے بغیر محض عقل سے مذہبی مشکلات کا حل ممکن نہیں۔

خود امام غزالی کے زمانے میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی علماء کا ایک گروہ ایسا رہا ہے، جو علم الکلام کی بحثوں میں پڑنا فضول اور تقویٰ کے منافی سمجھتا تھا۔ امام غزالی نے اپنی کتاب ”احیاء العلوم“ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ، امام ابن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ اور اکثر محدثین نے اس علم کو حرام قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود امام [illegible] اس بیان سے شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے ہیں :-

" علم کلام میں غوض کرنا اور اس کی تحقیقات کی چھان بین کرنی نہایت ضروری اور مہتم بالشان امر ہے ، بلکہ اسلام کے اعلیٰ مقاصد میں شمار کیا جاتا ہے "

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ بعض ایسے گروہ بھی ہیں ، جنہیں کلامی مباحث میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے ، جو راسخ الایمان ہے ، ایسے لوگوں کا اپنی حالت پر رہنا بہتر ہے ۔ علم الکلام کے دقائق میں پڑنا ان کے لیے خطرناک ہے ، دوسرے گروہ کے ذکر میں امام صاحب فرماتے ہیں :-

عام لوگ عقلی براہین کو سمجھنے سے معذور ہوتے ہیں ، ایسے لوگوں کے سامنے کلامی معارف پیش کرنا ٹھیک نہیں ہوتا ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ :-

" اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں عقل کے منصب سے انکار کر رہا ہوں ۔ لیکن عقل ایک ایسا خدائی راز ہے جو ہر کس و ناکس کو دینے کے قابل نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

امام صاحب کے نزدیک علم الکلام کا حصول فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ۔ اس علم کی ضرورت کیوں ہے ؟ ، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بہت سے لوگوں کے لئے علم کلام میں مصروفیت سخت مُضر ہے ، تو پھر اس کا حصول فرض کفایہ کیوں کر ہو سکتا ہے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بعض لوگوں کے لئے اس کا حصول خطرناک ہے ، لیکن اسلام کے مخالف شبہات کا رفع کرنا اور مخالفین اسلام کے رو برو اسلام کی صداقت اور کفر کے بطلان پر دلائل قائم کرنا اسلام کا سب سے بڑا اور نہایت ضروری فرض ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسلام پر طرح طرح کے دل آزار حملے کرنے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے بدظن کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس قسم کے واقعات عموماً ہر بڑے شہر میں ہوتے ہیں تو اس صورت میں اسلامی آبادی کے ہر حصے میں علم الکلام کے اولوالعزم فاضلوں کی جماعت موجود رہنی ضروری ہے ۔

مسلمانوں کے ہاں علم الکلام کن حالات کے نتیجے میں وجود میں آیا ۔ اور اُسے کیوں ترقی ہوئی ، مولانا شبلی نے اپنی کتاب علم الکلام میں اس کا یوں ذکر کیا ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"دولتِ عباسیہ میں جب یونان وفارس کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات ومناظرات میں عام آزادی دی گئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا۔ پارسی، عیسائی، یہودی، زنادقہ ہر طرف اُٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحاتِ اسلام کے آغاز میں اُن کو جو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا، اُس کا انتقام قلم سے لینا چاہا۔ عقائد ومسائلِ اسلام پر اس آزادی اور بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہوگئے۔ اس وقت اگرچہ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حکومت کے زور سے نکتہ چینوں کی زبانیں بند کر دی جاتیں، لیکن مسلمانوں کی آزاد خیالی نے اس ننگ کو گوارا نہ کیا کہ قلم کا جواب تلوار سے دیا جائے، علماءِ اسلام نے نہایت شوق اور محنت سے فلسفہ سیکھا اور جو ہتھیار مخالفین نے اسلام کے مقابلے میں استعمال کئے تھے، اُنہی سے اُن کے وار رد کئے، انہی معرکوں کے کارنامے ہیں، جو آج علم کلام کے نام سے مشہور ہیں۔"

یہ تو علم کلام کی ابتدا کا محرک اوّل تھا۔ امام غزالی کو جس چیز نے اس علم میں انہماک کی طرف راغب کیا، وہ یہ تھی:۔ اُس زمانے کا بغداد جب امام صاحب نیشاپور سے وہاں پہنچے، دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا دنگل تھا۔ اس زمین پر قدم رکھ کر ہر شخص پورا آزاد ہو جاتا تھا اور جو کچھ چاہتا تھا، کہہ سکتا تھا شیعی، سُنّی، معتزلی، زندیق، ملحد، مجوسی، عیسائی، یہودی ایک دوسرے سے علمی لڑائیاں لڑتے تھے۔

اس صراحت کے بعد بھی امام صاحب احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ یہ اثبات کرتے ہیں کہ فقہ کو علم کلام پر فضیلت حاصل ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں "اس میں شک نہیں کہ علم کلام اس لحاظ سے کہ اعتقادی احکام کی تحقیق اور تنقید پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والا ہے، فقہ کا اصل کہلانے کا مستحق ہے اور فقہ اُس کی نسبت فرعیت کا حکم رکھتی ہے" لیکن پھر بھی فقہ علم کلام سے افضل ہے۔ اور اس افضلیت کی اُنہوں نے وجہ بتائی ہے۔

"اس کتاب میں ہم کس قسم کے دلائل بیان کریں گے" اس عنوان کے تحت امام صاحب نے تین قسم کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ "تواتر" بحیثیت دلیل کے کیا اہمیت رکھتا ہے، اس بارے میں امام صاحب کا استدلال ملاحظہ ہو:۔

"جو اُمور کہ بذریعہ تواتر ثابت ہوئے [illegible] مفید ہوں گے جن کو تواتر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعہ معلوم ہوئے ہوں، بہت سے ایسے اُمور ہوتے ہیں جو بعض لوگوں کو تواتر کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض اُن سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا فتویٰ قتل المسلم بالذمی کے بارہ میں اُن کے مقلدین کو تواتر کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔ مگر دیگر ائمہ کے مقلدین تک بذریعہ تواتر یہ فتویٰ نہیں پہنچا ...."

کتاب کے پہلے باب میں خدا کی ذات کے بارے میں بحث ہے، اور اس پر دس دعاوی پیش کئے ہیں، ——————

ساتواں دعویٰ یہ ہے:۔ خدا نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ آگے نہ پیچھے۔ الغرض جہاتِ ستہ میں سے کسی جہت کے ساتھ اس کو اختصاص اور تعلق نہیں، امام صاحب اس امر کے اثبات کے بعد فرماتے ہیں:۔ اس جگہ پر ایک سوال وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ جہت فوق میں استقامت پذیر نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب خدا سے کوئی دعا مانگی جاتی ہے تو ہاتھ اور مُنہ اُوپر کو اُٹھا کر مانگی جاتی ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی سے پوچھا۔ أین اللہ (خدا کہاں ہے)۔ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ بے شک یہ مؤمنہ ہے۔ اگر خدا تعالیٰ آسمان پر نہ ہوتا تو آپؐ آسمان کی طرف اُس کے اشارہ کرنے پر اُس کے ایمان کی تصدیق کیوں کرتے۔

امام صاحب نے ان دونوں سوالوں کا جواب دیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ جب سب جہات خدا کے نزدیک برابر ہیں، اور خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ضبط و ترتیب کے لئے ایک نہ ایک جہت اختیار کرنا ضروری ہے، تو کیوں نہ ان میں سے اُوپر کی جہت کو ترجیح دی جائے، جو ہمارے نزدیک بلندی کے مرادف ہے۔ امام صاحب کا جواب خود اپنے الفاظ میں:۔

" یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے کمالات اور فضائل ظاہر کرنا چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ اس کی بات تو ساتویں آسمان سے بھی بلند ہے۔ اس جگہ آسمان سے اس کے حقیقی معنی ہرگز مراد نہیں ہوتے بلکہ آسمان سے استعارہ کے طور پر اس کی بلندیٔ مرتبہ مراد ہوتی ہے۔ ایسے ہی دعا مانگنے کے وقت ہاتھ اور مُنہ کو آسمان کی طرف اُٹھانے سے آسمان مقصود بالذات نہیں ہوتا، بلکہ خدا تعالیٰ کی علو اور رفعتِ شان کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور بس "

یہ مسئلہ کہ خدا تعالیٰ کی ادراک ممکن ہے یا نہیں اہل السنت و الجماعت اور معتزلہ کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سخت نزاع کا باعث رہا ہے، امام صاحب نے اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے :-

"معتزلہ نے جہت سے تو خدا تعالیٰ کو مقدس و منزّہ تسلیم کیا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اُس کے مرئی ہونے کا بھی انکار کر دیا محض اس بنا پر کہ مرئی ہونے کے لئے کسی نہ کسی جہت میں ہونا ضروری ہے۔ اور خدا کو کسی جہت سے کوئی تعلق نہیں۔ حشویہ نے تو یہاں تک تفریط کی کہ خدا کو اجسام و اعراض کے ساتھ ملا دیا اور معتزلہ نے یہاں تک افراط سے کام لیا کہ نصوصِ شرعیہ کو بالائے طاق رکھ کر خدا کی تنزیہہ و تقدیس میں حد سے زیادہ اُوپر چلے گئے، مگر کیا کہنا ہے اہل السنت والجماعت کا، جنہوں نے جہت کا تو اس بنا پر انکار کر دیا کہ یہ خدا کے جسم ہونے کو مستلزم ہے اور اس کے مرئی ہونے کو جائز قرار دیا۔ اس لئے کہ رویت علم کا اعلیٰ درجہ اور قسم ہے، جس کے ذریعہ خدا کی حقیقت کا کامل طور پر انکشاف ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ خدا کا جسم نہ ہونا جہت کی نفی کو مستلزم ہے، اور اس کا معلوم ہونا اس کے مرئی ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ رویت بھی علم کا ایک شعبہ ہے"

اس سے پہلے امام صاحب یہ لکھ آئے ہیں کہ رویت صرف آنکھ کے دیکھنے سے عبارت نہیں۔ یہ علم اور ادراک کی ایک قسم ہے، جو تخیّل سے کئی حصے زیادہ کشف تام کا موجب ہوتی ہے۔

حجرِ اسود کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ انہ یمین اللہ فی الارض۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جہلا یمین کے معنی دائیں ہاتھ کے کرتے ہیں ...... مگر علماء یہاں بھی اصلیت کو پا جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ لفظ یمین مصافحہ کے معنی میں بطور مجاز کے مستعمل ہوا ہے۔ یعنی جب بادشاہ کے ہاتھ کو اس کی تعظیم کے لئے بوسہ دیا جاتا ہے، ویسے حجرِ اسود کو بھی بوسہ دینا چاہیئے۔

کتاب کا دوسرا باب خدا کی صفتوں کے بارے میں ہے، اور وہ سات ہیں :- قدرت، علم، حیاۃ، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ ان صفات میں سے کلام پر قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ ایک زمانے میں اس مسئلے نے کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق، مسلمانوں کو دو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اس پیچیدہ اور تاریخی مسئلے پر امام صاحب کا محاکمہ یہ ہے :- قرآن خدا کا کلام ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے اور اگر خدا کا کلام ہے تو قرآن تو خاص حروف اور کلمات کا مجموعہ ہے اور جب نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو حروف و کلمات ہی کو پڑھا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں :" اس جگہ تین الفاظ ہیں۔ قراۃ، مقروٗ، قرآن۔ مقروٗ تو خدا کے کلام کا نام ہے، جو ازل سے اُس کے ساتھ قائم ہے۔ اور اب متنازع فیہ بنا ہوا ہے۔ اور قراۃ کے معنی ہیں کسی چیز کو پڑھنا، یہ قاری کا ایک فعل ہے۔ جس کو ایک وقت وہ شروع کر کے دوسرے وقت میں ختم کر دیتا ہے۔ یہ ایک حادث چیز ہے، کیونکہ حادث وہ چیز ہوتی ہے، جس کا آغاز ہو۔ یہ تعریف قراۃ پر بھی صادق آتی ہے۔ قرآن سے کبھی مقروٗ مراد لیا جاتا ہے اور اس وقت قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ مقروٗ جس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں، غیر مخلوق اور قدیم ہے۔

جن بزرگوں نے قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہا ہے، اُنھوں نے قرآن بمعنی مقروٗ کو غیر مخلوق اور قدیم کہا ہے۔ اور اس میں وہ حق بجانب تھے اور کبھی قرآن سے قراۃ مراد لی جاتی ہے۔ ان معنی کے مطابق قرآن بے شک مخلوق اور حادث ہے اور جن علماء نے اس کے متعلق مخلوق اور حادث ہونے کا فتویٰ لگایا ہے، اگر اُنھوں نے ان معنی کے مطابق یہ قول لکھا ہے تو وہ بھی حق بجانب تھے۔

اسی باب میں خدا کی صفات پر جو چار احکام وارد ہوتے ہیں، اُن کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں امام صاحب نے صفاتِ خداوندی کے قدیم و حادث ہونے کی بحث اُٹھائی ہے۔ فرماتے ہیں :" معتزلہ اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اگر خدا کی صفتیں بھی خدا کی مانند قدیم ہوں تو کئی ایک قدیم چیزوں کا وجود لازم آتا ہے اور یہ محال ہے...."

کلام کو حادث کہنے والوں کی امام صاحب نے یہ دلیل دی ہے :" مثلاً انا ارسلنا نوحاً الیٰ قومہ۔ اب اگر کلام قدیم ہو تو خدا کا نوحؑ کو مخاطب کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ جب کہ نوحؑ اور اس کی قوم کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسی طرح اگر یہ قدیم ہو تو خدا کا موسیٰ علیہ السلام کو اخلع نعلیک کے ساتھ خطاب کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ حالاں کہ ازل میں نہ موسیٰؑ تھا اور نہ اُس کے نعلین۔ نیز خدا کے کلام میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں۔ سو اگر اُس کا کلام قدیم ہو تو ازل میں اُس کا آمر و ناہی ہونا ماننا پڑے گا اور یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ امر اور نہی کے لئے مامور اور منہی کا ہونا ضروری ہے تو جب ازل میں مامور اور منہی نہیں تو وہ آمر اور ناہی کس طرح ہوگا۔

امام صاحب اس اعتراض کا یوں جواب دیتے ہیں :" خدا تعالےٰ ازل میں جانتا تھا کہ عالم ایک وقت پیدا ہوگا اور یہ ایسا علم ہے، جس میں عالم کے وجود سے پہلے اور اس کے موجود ہونے کے وقت اور اس کے پیچھے کوئی فرق نہیں آتا...."

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تیسرا باب خدا کے افعال میں" ہے۔ اس میں امام صاحب نے یہ سات دعاوی ثابت کئے ہیں :-

(۱) جائز تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو عبادات کی تکلیف نہ دیتا۔ (۲) ایسے کاموں کی تکلیف دیتا جو اُن کی طاقت سے باہر تھے۔ (۳) یہ بھی جائز ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے بندوں کو عذاب دے۔ (۴) خدا پر واجب نہیں کہ لوگوں کے لئے جو مفید اُمور ہیں، اُن کی رعایت رکھے۔ (۵) نیکی کے عوض ثواب دینا اور بُرائی کے عوض عذاب دینا اس کے لئے واجب نہیں۔ (۶) بندوں پر صرف عقل سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، بلکہ شریعت کے ذریعہ اُمور واجب ہوتے ہیں۔ (۷) خدا کے لئے نبیوں کا بھیجنا واجب نہیں۔

یہ جو سات دعاوی ہیں، امام صاحب کو انہیں ثابت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ معتزلہ نے خدا کو اپنے بہت سے مزعومات کا پابند کر رکھا تھا، یعنی خدا یہ نہیں کر سکتا۔ خدا کے لئے ایسا کرنا واجب ہے، حسن و قبیح کا فیصلہ عقل کرتی ہے نہ کہ شریعت۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عقل کو حسن و قبیح کی آخری سند مان لی جائے تو اس سے یہ قباحت لازم آتی ہے۔ قوتِ وہمیہ عقل کے خلاف چلتی ہے اور عموماً عقل پر غالب آتی ہے ...... اگر عقائد پر نگاہ ڈالی جائے تو قوتِ وہمیہ کا بہت کچھ تصرف نظر آتا ہے ......۔ یہاں امام صاحب نے مختلف مذہبی فرقوں کی مثال دی ہے کہ کس طرح ایک فرقہ والا محض اس بنا پر ایک چیز کو ٹھیک مان کر اُسے غلط قرار دیتا ہے کہ اُس کو دوسرے فرقہ والا ٹھیک سمجھتا ہے۔

ایک فصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات پر ہے، اس میں ایک مبحث نسخ کا ہے، امام صاحب لکھتے ہیں :- یہودیوں نے آپؐ کی نبوت کا جو انکار کیا، تو اس کے دو وجوہ تھے۔ ایک اُن کا یہ قول کہ نسخ محال ہے، اور دوسری یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین ابد تک اُن کے لئے واجب ہے۔

اس ضمن میں امام غزالی نے نسخ پر بحث فرمائی ہے، لکھتے ہیں :- جن لوگوں نے نسخ کو محال کہا ہے، اُنھوں نے نسخ کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ ایک حکم صادر کرنا اور بعد میں جب اس میں غلطی نظر آئی تو اس میں ترمیم کر دینی۔ یا اُس کو بالکل اڑا کر اس کی جگہ اور حکم مناسب رکھ دینا۔ اس قسم کے نسخ کو ہم بھی محال کہتے ہیں، مگر جس نسخ کے ہم قائل ہیں، اُس کے یہ معنی ہیں کہ حکم صادر کیا جاتے اور حکم دینے والے کو معلوم ہو کہ ایک مدت [illegible] کی جائے اور حکم دیا جائے گا......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام شریعت کا اختلاف بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے ....

چوتھی فصل جو کتاب کا آخری حصہ ہے، اُس کا عنوان ہے: "کس فرقہ کے لوگوں کو کافر کہنا واجب ہے" امام صاحب نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ مختلف فرقوں کے پیروؤں نے اس معاملے میں غیر معمولی مبالغہ آمیزی اور تعصب سے کام لیا ہے۔ اور جو بھی اُن کے فرقے کے عقائد سے اختلاف کرتا ہے، اُس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالاں کہ امام صاحب کے الفاظ میں "حقیقت میں کفر کا معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ جو شخص آپ کی کسی بات میں تکذیب کرے، وہ یقیناً کافر ہے۔"

لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ تکذیب کے چند مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبہ کے الگ الگ احکام ہیں۔

ان کے نزدیک پہلا مرتبہ یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور بت پرستوں کی تکذیب کا ہے۔ دوسرا مرتبہ براہمہ (منکرینِ نبوت) اور دہریہ (منکرین صانع) کی تکذیب کا ہے۔ تیسرے مرتبے میں امام صاحب فلاسفہ کو داخل کرتے ہیں۔ اِن کے بارے میں اُن کی رائے ہے کہ اگرچہ بعض مسائل میں اُن پر کفر عائد نہیں لیکن ان تین مسئلوں کی وجہ سے ـــــ اہل السنت والجماعت کی طرح کے حشر سے انکار، خدا کا جزئیات سے بے علم ہونا اور یہ کہ عالم قدیم ہے اور خدا کو محض اس سے تقدم ذاتی ہے تقدم زمانی نہیں۔ وہ لوگ یقیناً کافر ہیں۔ چوتھا مرتبہ فلاسفہ کو چھوڑ کر معتزلہ وغیرہ دیگر فرقوں کا ہے، یہ آیت یا حدیث کو اپنے مقصد کے لئے تاویل کرتے ہیں۔

معتزلہ اور ایسے دوسرے فرقوں کی تکفیر کے بارے میں امام غزالی کی رائے یہ ہے:۔

ان لوگوں کو حتی الوسع کافر نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے مال اور جانیں مباح کر دینی جو رُو بقبلہ ہو کر نماز ادا کرتے اور زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوں، کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ہزارہا کافروں کو کافر نہ کہا جائے، بلکہ اُن کی نسبت خاموشی اختیار کی جائے، تو اس میں کوئی بڑا گناہ نہیں، بخلاف اس کے ایک مسلمان کو کافر کہہ دیا جائے۔ یہ ایسا گناہ ہے، جو تمام گناہوں سے خطرناک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مجھے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا امر کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ لیں)۔

امام صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ اس قسم کے تمام فرقوں نے بہت جگہ افراط وتفریط سے کام لیا ہے .... کیونکہ عموماً اس قسم کے لوگ تعصب اور ضد کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں، خیر اُن کا جو جی چاہے، کریں، اُن کو کافر نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ کفر کی بِنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر ہے، تاویل کفر کا باعث نہیں بن سکتی۔ نہ اس کے باعث کفر ہونا کہیں ثابت ہے۔

امام صاحب نے پانچویں مرتبے میں اُن لوگوں کو رکھا ہے، جو واضح اور تواتر سے ثابت شرعی حکم کے منکر ہوں۔ امام صاحب کے نزدیک ایسے لوگوں کو بھی کافر کہنا چاہیئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

معتزلہ بھی اگرچہ بعض اُمور کے منکر ہیں، مگر اُن کے انکار اور ان کے انکار میں بُعد المشرقین ہے۔ کیوں کہ جن باتوں پر اُن کے انکار کی بِنا ہے، اُن کا سمجھنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں۔

چھٹا مرتبہ اُن لوگوں کا ہے، جو اجماع سے ثابت شدہ اُمور کی تکذیب کرتے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک اس قسم کی تکذیب باعثِ کفر تو نہیں ہے لیکن اس قسم کی تاویلوں کا دروازہ کھولنا بڑے بڑے مفاسد کا باعث ہوگا۔

اس سلسلے میں امام غزالی نے لکھا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول کا مبعوث ہونا جائز ہے۔ اور حدیث لا نبی بعدی اور آیت خاتم النبیین کی وہ تاویل کرتا ہے۔ (یہاں اُردو ترجمہ مبہم ہے اور اصل کتاب ہمارے سامنے نہیں، اس لئے امام صاحب کا اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا)۔

اسی تکفیر بین المسلمین کے مسئلے پر امام صاحب نے اپنے ایک دوست کو، جس نے اُنہیں اطلاع دی تھی کہ وہ تضلیل اور تکفیر کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں، ایک خط لکھا تھا جس میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:۔ جو شخص حق کو کسی شخص خاص میں محدود سمجھتا ہے وہ خود کُفر کے قریب ہے۔ کیونکہ اُس نے اُس شخص کو رسول اللہؐ کی طرح معصوم قرار دیا۔ غالباً تم کو کفر کے معیار کے جاننے کی خواہش ہوگی تو میں ایک قاعدہ کلیہ بتاتا ہوں۔ کُفر کے معنی صرف یہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے، اس چیز میں جو اُن پر خُدا کی طرف سے آئی لیکن اس میں یہ دشواری پیش آئے گی کہ مسلمانوں میں سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی نسبت یہی الزام [illegible] کافر کہتے ہیں کہ معتزلہ احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رؤیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس طرح رسول اللہؐ کی تکذیب کرتے ہیں۔ معتزلہ اس لئے اشعری کی تکفیر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک صفاتِ الٰہی کی کثرت کا قائل ہونا توحیدِ باری کے خلاف ہے اور رسول اللہؐ کی تکذیب ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے میں تم کو تصدیق و تکذیب کی حقیقت بتاتا ہوں۔"

الاقتصاد فی الاعتقاد کا ترجمہ بڑا اچھا اور کافی رواں ہے۔ لیکن ناشر نے زیادتی یہ کی ہے کہ مترجم مولوی محمد فیض الحسن کا نام تو دے دیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ صاحب موصوف کون بزرگ ہیں، اور ترجمہ کب ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ پہلے چھپ چکا ہے، اور اس دور سے پہلے کے کوئی بزرگ ہیں، جنہوں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ شروع میں تمہید سی ہے، اس میں بھی اس راز کا انکشاف نہیں کیا گیا۔

شروع کتاب میں تو کتابت کی بعض غلطیاں ہیں، لیکن بعد میں غلطیاں نظر نہیں آتیں، ضرورت تھی کہ ناشر کم سے کم فہرست مضامین ہی دے دیتے، اگر کتاب کے مندرج مطالب پر شروع میں ایک مقدمہ ہو جاتا تو قاری کو کتاب کے مطالعہ میں بڑی مدد ملتی۔ بہرحال ناشر کا یہ اقدام کہ اس نے امام غزالی کی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کر دیا، ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ اسلامیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑا مفید رہے گا، اور اس سے موجودہ مذہبی ذہنی انتشار کو دور کرنے میں قدرے مدد ملے گی۔

کتاب غیر مجلد ہے، نیوز پرنٹ پر چھپی ہے، صفحات ۲۰۸۔ قیمت تین روپے ۵۰ پیسے۔
ناشر۔ سنگِ میل پبلی کیشنز۔ چوک اردو بازار۔ لاہور۔

(م۔ س)

© rasailojaraid.com